عرش صدیقی کی شاعری کے فکری وفنی ماخذات

وسیم عباس*

ڈاکٹر روبینہ ترین**

Abstract:

This article covers some aspects of the poetry of Arsh Siddiqi. Arsh Siddiqi is a leading poet of Multan who introduced modern Urdu poem in Multan. He was well versed in English, Greek, Persian, Urdu, Hindi and Punjabi literature .This study had been a source of inspiration for him. His poetry is rich with Greek, English, and Hindi mythological references which are used in the perspective of our time.

ہر شاعر کے فنی سفر کی اٹھان میں روایت کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے ماضی کے شعراء کا کلام ماضی کے مفکرین کے نظریات اور معاصر نظریات و رجحانات شاعر کو تخلیقی سطح پر متاثر کرتے ہیں۔اسی طرح اقوام عالم کا میل ملاپ اور ثقافتی اثرات دوسری زبانوں کے ادب کا مطالعہ شعراء کے کلام میں تنوع کا باعث رہا ہے انگریزی ادب کی مثال لے لیجیے،فرانسیسی ادب سے متاثر ہونے کے باوجود انگریزی ادب کی اپنی الگ اور بھرپور شناخت بھی قائم رہی ۔اسی طرح اردو زبان وادب نے عربی، فارسی، سنسکرت اور انگریزی سے فیض حاصل کیا اس کے باوجود اردو ایک الگ اور

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

** صدر شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

مکمل شناخت رکھنے والی زبان ہے

اثر پذیری یا فیض کشی کے اس عمل کو نقل یا سرقہ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا بلکہ دیکھنا یہ چاہیے کہ اگر کوئی شاعر کسی ماخذ سے فیض یاب ہوا تو یہ فیض کشی اس کی اپنی تخلیق میں کس طرح منعکس ہوئی اس سلسلے میں اس کا اسلوب اس کی صناعی اور فنی کمال کو ظاہر کرتا ہے مثلاً سودا نے فارسی کے شاعر نظیری کے ایک مضمون کو اردو شعر میں پیش کیا ہے دونوں اشعار ملاحظہ ہوں

بوی یار من ازیں سست وفا مے آید
گلم از دست بگیرید کہ از کار شدم

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو میرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

حالی کے نزدیک سودا نے اس شعر میں نظیری سے مستعار جو مضمون بیان کیا ہے اس کا حسن نظیری سے زیادہ ہے۔

''اس میں شک نہیں کہ سودا نے اپنے شعر کی بنیاد نظیری کے مضمون پر رکھی ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ تھوڑے سے تغیر سے اس کا ترجمہ کر دیا ہے لیکن بلاغت کے لحاظ سے سودا کا شعر نظیری سے بہت بڑھ گیا ہے''(۱)

شاعری میں روایت سے استفادہ کسی فلسفی شاعر کسی تحریک یا نظریہ سے متاثر ہونے کی روایت رہی ہے اور بڑے نامور شعراء کے یہاں بھی استفادے کا یہ عمل جاری رہا اسی تناظر میں جب ہم ملتان سے تعلق رکھنے والے شعراء کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہ روایت بڑی توانا دکھائی دیتی ہے

ملتان کے نظم گو شعرائے اردو کی فیضیابی کے ماخذات بڑے متنوع رہے ہیں۔ یہاں کے شعراء نے ایک طرف تو کلاسیکی روایت کے مستحسن پہلوؤں کو اپنانے کی سعی کی دوسری جانب نئے رجحانات ،مغربی نظریات کے اثرات ،قومی ملی شعری روایت ،اور ادب برائے زندگی کے نظریے کا خیر مقدم کیا اس سلسلے میں عرش صدیقی کا نام ملتان کے نمائندہ ناموں میں شامل ہے عرش صدیقی کی فکری و فنی فیض کشی بڑی متنوع ہے اردو کی رومانوی شاعری نظم جدید کی تحریک اور مغربی مفکرین کے تنقیدی نظریات اور تخلیقات نے عرش صدیقی کو براہ راست متاثر کیا فیض کشی کے مآخذ اس مثلث میں عرش کا فن کسی ایک رجحان کی بھی نقالی معلوم نہیں ہوتا بلکہ عرش کا اسلوب اس کی

انفرادی شخصیت کی طرح اس کا اپنا ہے اوراس پر کسی پیشرو شاعر کے اسلوب کی چھاپ نظر نہیں آتی

عرش صدیقی ملتان کی شعری روایت کا ایک ایسا نام ہے جس نے خطہ ملتان کی شاعری خصوصاً نظم کو نئے رجحانات سے متعارف کروایا۔عرش صدیقی کی شعری کاوشوں تنقیدی تحریروں نے نہ صرف معاصر شعراء بلکہ بعد میں آنے والے شعراء کو بھی متاثر کیا عرش صدیقی کو اپنی وسعت مطالعہ کی بنا پر ملتان کے نظم گو شعراء میں ایک امتیاز حاصل ہے۔انہوں نے مشرقی شعروادب، مغربی شاعری خصوصاً انگریزی شاعری اور انگریزی ادب میں ظہور پذیر ہونے والی تحریکات، ہند و یونان کی تاریخ اور اساطیر کا گہرا مطالعہ کیا جو ان کی ادبی اور تنقیدی تحریروں سے مترشح ہے۔دنیائے ادب میں عرش صدیقی کی شناخت کے تین حوالے ہیں۔

☆بطور شاعر ☆بطور افسانہ نگار ☆بطور نقاد

اوران تینوں حوالوں میں عرش کی کسی بھی میدان میں مہارت کم نہیں۔عرش صدیقی کی وسعت علمی،تنقیدی بصیرت اور ادبی شعور کی بنا ظفر معین بلے نے انہیں بجا طور پر دنیائے ادب کا عرش قرار دیا ہے۔(۲)

جس زمانے میں عرش صدیقی نے شاعری کا آغاز کیا رومانوی تحریک ترقی پسند تحریک اور حلقہ ارباب ذوق کا شہرہ عام تھا عرش صدیقی ان تحریکات سے متاثر ضرور تھے لیکن ان میں سے کسی کے منشور سے من حیث المجموع اتفاق نہ کرتے تھے۔

اپنی ابتدائی شاعری میں عرش صدیقی حالی اقبال عظمت اللہ، جوش،اختر شیرانی اوراحسان دانش سے متاثر نظر آتے ہیں عرش کی اکثر پابند نظموں کے موضوعات اوراظہار انہیں رومانوی شاعر ثابت کرتے ہیں ان کی بعض نظموں میں حسن کے بیان کا انداز انہیں اختر شیرانی سے قریب کر دیتا ہے۔

مغربی افکار سے اثر پذیری کا ثبوت خود عرش کی شاعری سے بھی ملتا ہے اوران کے تنقیدی مضامین سے بھی۔

اپنے مضمون ''میرا پسندیدہ فنکار۔۔ٹی ایس ایلیٹ''، میں عرش صدیقی نے جہاں جان ڈن اور ٹی ایس ایلیٹ کے لیے پسندیدگی کا اظہار کیا ہے وہیں کولرج، بودلیئر، ہنری جیمز،اور چیخوف کے لیے بھی تحسین کا اظہار ملتا ہے ڈن کی نظموں جیمز کی کہانیوں اور چیخوف کے ڈراموں نے عرش کے ذہنی وحسی نظام کو متاثر کیا۔اپنی فکری وفنی اثر پذیری کے حوالے سے عرش نے خاص طور پر ٹی ایس ایلیٹ کا ذکر کیا ہے

''اپنے ملک اور زبان کے تمام شعراء کو چھوڑ کر میں نے ایلیٹ کو پسند کرنے کا اعلان کیا ہے اس کے لیے کوئی جواز ہونا چاہیے یوں تو ''پسند اپنی اپنی'' کہہ کر ہر بحث سے دامن بچایا جا سکتا

ہے لیکن میں اس قسم کی بے جواز دلیل کا قائل نہیں ہوں‘‘(۳)

ایلیٹ کو پسند کرنے کی وجوہات میں عرش ذکر کرتے ہیں کہ وہ لفظ کو اس کے بہتر معانی اور تناظر میں استعمال کرنے کا فن جانتا ہے وہ جو لفظ ترکیب استعارہ تشبیہہ یا تلمیح اپنے کلام میں استعمال کرتا ہے اس کی معنویت سے کما حقہ، واقف ہے مثال کے طور پر نظم ’’waste land ‘‘ میں وہ شانتی کا لفظ استعمال کرتا ہے۔تو اس لفظ کے پورے تناظر سے آگاہ بھی ہے۔یہی صورت حال عرش صدیقی کے ہاں پائی جاتی ہے ۔کہتے ہیں

میں حرف وصوت کی قوتوں سے آگاہ ہوں لفظ کب مرہم بنتا ہے اور کب خنجر اس کا بھی مجھے علم ہے(۴)

اس حوالے سے ایلیٹ اور عرش صدیقی دونوں ایذرا پاؤنڈ کے ہمنوا نظر آتے ہیں جو آزاد نظم لکھنے والوں کو تلقین کرتا ہے کہ نظم میں زائد الفاظ کے استعمال سے گریز کریں اس کے علاوہ نظم نگار کو چاہیے کہ گھسی پٹی تراکیب اور تشبیہہ اور استعارات سے نظم کو بوجھل نہ کرے عرش صدیقی کی شاعری ایذرا پاؤنڈ اور ایلیٹ کے نظریات کی عملی تصویر نظر آتی ہے کہ وہ نہ صرف الفاظ کے معاملے میں بلکہ نظموں کی تعداد کے معاملے میں بھی انتہائی اختصار کا قائل ہے۔

عرش کے خیال میں شاعر کے لیے تمام دنیا کے ادب سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کی علمی سطح اتنی بلند ہونی چاہیے کہ اس کی یہ خوشہ چینی محض نقالی بن کر نہ رہ جائے۔جس طرح ایلیٹ نے ’ویسٹ لینڈ‘ میں اطالوی جرمن فرانسیسی اور سنسکرت زبان کے شاعروں کے جملے اور مصرعے کثرت سے استعمال کیے ہیں اس کے باوجود اس نظم کو سرقہ یا نقل نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ اس سے ایلیٹ کی وسعت مطالعہ اور فیض کشی کا احساس ہوتا ہے یعنی ایلیٹ نے اپنی تخلیقات کے ضمن میں ہر قسم کی فیض کشی کو روا رکھا۔عرش کے نزدیک ایلیٹ نے جس طرح دنیا بھر کے ادب سے استفادہ کیا ہے وہ اس کی علمی عظمت کا ثبوت ہے دوسری جانب عرش صدیقی اردو شعراء کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے فارسی غزل کی روایت کی پیروی کرتے ہوئے اردو غزل کو علامات ۔الفاظ اور تراکیب کا گورکھ دھندہ بنا دیا جبکہ ان علامات الفاظ اور تراکیب کا ہماری سماجی روایت اور ہمارے کلچر سے کوئی لینا دینا نہیں مثال کے طور پر ان کے خیال میں اگر کوئی غیر ملکی ہماری غزل کی شاعری کا مطالعہ کرے تو وہ ہمیں شرابیوں کی ایک قوم سمجھے گا کہ ہماری غزل اسی بنت العنب کے بیان سے بھری پڑی ہے جبکہ ایلیٹ نے دنیا بھر کے ادب سے جو خوشہ چینی کی اس سے اس کے کلام کی عالمگیریت میں اضافہ ہو گیا۔درصل ایلیٹ نے اقبال اور غالب کی طرح اپنے آپ کو کسی ایک نظریہ یا مذہب سے منسلک نہیں رکھا۔

اسی حوالے سے دنیا بھر کے ادب سے عرش صدیقی نے جو استفادہ کیا وہ ہمارا موضوع بحث ہے۔اپنی

فیض کشی کے حوالے سے عرش کی شاعری ہر دور میں ارتقاء پذیر رہی ہے اور عرش نے اپنے ممدوح ایلیٹ کی طرح کسی ایک نظریے سے منسلک رہنے کی روش اختیار نہیں کی۔

عرش صدیقی پیشے کے اعتبار سے معلم تھے اور شعبہ تدریس انگریزی تھا اسی لیے براہ راست مغربی افکار سے استفادے کا موقع ملا ان کی مغربی افکار سے اثر پذیری مولانا حالی کی طرح بالواسطہ نہ تھی۔ وہ ان شعراء اور نقادوں میں سے نہیں تھے جو چیخوف موپاساں، براؤننگ، شیکسپیئر ملٹن، ٹالسٹائی فلوبیر، کولرج، ارسطو اور ایلیٹ کے صرف نام سے واقف تھے یا ان کی ایک آدھ تحریر کا مطالعہ رکھتے تھے یا جنھوں نے صرف تراجم کے ذریعے مغربی افکار سے واقفیت بہم پہنچائی تھی (جبکہ ترجمے کے ذریعے کسی تحریر کے مدعا اور مقصد کو کماحقہ سمجھا نہیں جا سکتا۔ عرش صدیقی نے مغربی مفکرین کے نظریات اور تخلیقات کا براہ راست مطالعہ کیا تھا ۱۹۶۶ء میں ان کا مجموعہ کلام ''دیدۂ یعقوب منظر عام پر آیا تو ان کی نظموں میں رومانویت اور ہندی فارسی کی بجائے مغربی اثرات اساطیر اور ذاتی حادثات کا بیان تھا اسی بنا پر عرش صدیقی کو ملتان میں جدید نظم کے اولین معماروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ عرش صدیقی کے دور میں ملتان میں شاعری کے تین رجحان ملتے ہیں

ا۔ وہ روایتی شاعر جو کلاسیکی سانچوں میں اظہار خیال کر رہے تھے۔

۲۔ وہ شاعر جو مختلف تہذیبی مراکز سے ہجرت کر کے آئے تھے اور ان کے ہاں قدیم اور جدید کا امتزاج پایا جاتا تھا۔

۳۔ ترقی پسند تحریک سے متاثر طبقہ جنھوں نے ہیئت اور اسلوب میں جدت پیدا کی اور طبقاتی کشمکش کو موضوع بنایا۔

عرش صدیقی کا تعلق اسی تیسرے گروہ سے تھا۔ اس سے پہلے کہا گیا ہے کہ عرش صدیقی کسی ایک مسلک یا تحریک کے پابند نہیں تھے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ جدیدیت اور ترقی پسند افکار دونوں سے متاثر تھے۔

عرش صدیقی کی نظمیہ شاعری کے رجحانات کو دیکھتے ہوئے اسے چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ نومشقی سے ۱۹۵۵ء رومانویت کے غلبے اور فارسی ہندی اثرات کا دور

۲۔ ۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۵ء اساطیر مغربی رجحانات اور ذاتی حادثات کے بیان کا دور

۳۔ ۱۹۶۶ء تا ۱۹۸۲ء شعوری محرکات اور آپ بیتی کا بیان

۴۔ ۱۹۸۳ء تا ۱۹۹۶ء جدت اظہار اور روحانیت کا دور

☆

عرش صدیقی نے جن دنوں اپنی شاعری کا آغاز کیا اس وقت نوجوان نسل میں، اقبال، اختر شیرانی، ساحر لدھیانوی کا شہرہ تھا اور ان کی منظومات اور اشعار زبان زد خاص و عام تھے۔ لہٰذا عرش نے بھی نظم گوئی کا آغاز کیا تو

اس میں رومانوی اثرات نمایاں تھے۔جن کی بازگشت ان کی ہر دور کی شاعری میں نظر آتی ہے اوران کی دور آخر تک کی نظموں میں رومانوی رنگ کم وبیش پایا جاتا ہے۔

عرش صدیقی کی نظم کے دوراول میں رومانوی اور روایتی نظمیں ملتی ہیں۔عرش صدیقی نے اپنی نظم گوئی کا آغاز قیام پاکستان کےفوری بعد پابند نظموں سے کیا ''ماہ وانجم'' ان کی پہلی نظم تھی۔ان کی ابتدائی نظموں میں ماہ و انجم، آوارہ گردوں، شوق نارسا، من وتو، آخری ملاقات، بے گھر، ایک منظوم مکالمہ، گلشن علم و ادب، ساجن اک بنجارہ، اور ہندی سے متاثر گیت اس دور کی یادگار ہیں نظموں کے عنوانات سے ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ عرش کے ہاں اس دور میں فارسیت کا رجحان موجود تھا نظم ''ماہ وانجم'' میں اختر کے اسلوب کا عکس نظر آتا ہے

شب کو اکثر زمیں پہ آتے ہیں
ماہ و انجم شہاب سیارے
تیرے چہرے سے نور لیتے ہیں
لوٹ جاتے ہیں صبحدم سارے

اسی طرح ''آوارۂ گردوں'' انکے اس دور کی نظم ہے جب وہ ایم اے انگریزی کے طالب علم تھے اس دور کے کلام میں ہندی اثرات نظر آتے ہیں۔

دھوپ ڈھلے جب ماہ درخشاں نور کے رتھ پر آتا ہے
اور اپنے روپہلے دامن عالم پر پھیلاتا ہے

اب کہ ہمارا ایک ہی غم ہے ایک تلاش پیہم ہے
خوش ہوں کہ میں ہمراز ہوں تیرا اور تو میرا محرم ہے

اگر چہ عرش کی شاعرانہ عظمت میں بڑا کردار ان کی بعد کے زمانے کی آزاد نظموں کا ہے لیکن ابتدائی دور کی یہ پابند نظمیں آنے والے دور کے ایک بڑے شاعر کا پتہ دیتی ہیں

عرش صدیقی کے قلمی نام سے شائع ہونے والی پہلی نظم ''شوق نارسا'' ہے اپنی شاعری کے اس دور میں عرش صدیقی نے مطالعے سے زیادہ مشاہدے اور تجربے پر زور دیا بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری

''زندگی کیا ہے کیا نہیں ہے اس کے بارے میں انہوں نے صرف خبر یا نظر پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ ذاتی تجربات اور مشاہدات کو قابل اعتماد ٹھہرایا ہے''(۵)

اس دور کی اکثر نظموں کا موضوع رومان اور محبت ہے اگر چہ اس دور کی اکثر نظموں کو عرش صدیقی نے اپنے بعد کے کسی مجموعے میں شامل نہیں کیا لیکن ادب کا باذوق قاری انہیں ہمیشہ استحسان کی نگاہ سے دیکھے گا

اپنی شاعری کے دوسرے دور میں عرش صدیقی نے مغربی افکار، شاعری اور نثری تصنیفات کا مطالعہ کیا اور مغرب کے تنقیدی شعور سے واقفیت حاصل کی۔ عرش صدیقی نے فرانسیسی امریکی یونانی اور انگریزی ادب کا مطالعہ کیا۔ ان تخلیقات کے حوالے سے اس دور کی خاص بات یہ ہے کہ عرش صدیقی نے آزاد نظم کی تکنیک کو مستقل طور پر اختیار کیا۔ عرش نے اسی دور میں فلسفہ نفسیات اور سائنس کے حوالے سے اپنے علم کو وسعت دی عرش کی شاعری کے دور اول میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ عرش اپنے پیشرو اور معاصر شعراء سے متاثر رہے لیکن اس دور میں عرش نے اپنے اجتہادی شعور کو کام میں لا کر اپنی الگ راہ متعین کی اب ان کا کلام اگر چہ مشرق اور مغرب کے سرچشموں سے سیراب ضرور تھا تاہم اس پر کسی شاعر کے اسلوب کی نمایاں چھاپ نہ تھی بلکہ ان کا اپنا ایک الگ رنگ متعین ہو چکا تھا اگر چہ اس دور میں عرش صدیقی نے اپنی تخلیقات کے حوالے سے نئے تجربات کیے۔ اس دور میں بھی ان کے کلام میں روایت کی بازگشت سنائی دیتی ہے تاہم اس دور تک ان کے کلام کا اپنا الگ رنگ متعین ہو چکا تھا بقول منظر امکانی ان کی انفرادیت سے ایک نئی روایت کا آغاز ہوا وہ ایک الگ دبستان فکر کے بانی ہیں۔(٦)

عرش صدیقی کی نظم گوئی کے اس دور کا ایک نمایاں وصف ان کی منظومات میں اساطیری حوالوں کا ہے عرش نے مشرق ومغرب کی تاریخ اور شاعری کے مطالعے سے اپنی شاعری میں اساطیر پر مشتمل تراکیب استعمال کی ہیں ڈاکٹر سلیم اختر کے بقول عرش صدیقی نے دیدۂ یعقوب میں علامات کے لیے اساطیر کا خزانہ کھنگال کر انہیں اپنے عصر کی تفہیم کے لیے کامیابی سے برتا دیدۂ یعقوب میں جو اساطیری حوالے استعمال ہوئے ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔ شودیوتا، پرومیتھس، کاکیشیا، کیلاش پربت، پاربتی دیوی، اوشا دیوی، گھنشیام، رادھا، اولمپس، وینس، اپالو، زیوس، شوالک، گوتم، راکھشس، وغیرہ

اساطیر کے حوالے سے نظم ''اے جادوگر سے ایک اقتباس درج ہے

اے جادوگر پاس تیرے کیا ایسا بھی کوئی جادو ہے
مجھ کو جو یک دم پنکھ لگا دے اور کیلاش پہ پہنچا دے
ساتھ میں اپنے گھور اندھیرے اس دنیا کے لے جاؤں
اور کیلاش پہ برساؤں
پاربتی کو سیس نواؤں اور شو جی سے یہ پوچھوں

تم جو یہاں کیلاش پہ بیٹھے امرت جام چڑھاتے ہو
اور تاروں کی قندیلوں سے اپنا سورگ سجاتے ہو
کوئی تمہیں دکھ درد نہیں ہے ہر دم عیش مناتے ہو(۷)

عرش صدیقی کی شاعری میں اساطیر کی بڑی اہمیت ہے۔وہ اساطیر کو کسی قوم کی معاشرت تہذیب ثقافت اور نفسیات کو سمجھنے کے لیے بہت اہم قرار دیتے ہیں ۱۹۷۵ء میں جب ان کا تقرر ملتان یونیورسٹی میں بطور چئیر میں شعبہ انگریزی کے ہوا تو انہوں نے کوشش کی کہ طلباء یونانی اساطیر سے واقفیت حاصل کر کے اس شاعری کو بہتر انداز میں سمجھیں جس میں اساطیری حوالے شامل ہیں برصغیر پاک و ہند کی تہذیب اور قدیم تاریخ کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ طلباء وید، رامائن، اور مہا بھارت کا بھی مطالعہ کریں ان کے خیال میں برصغیر کی تہذیب کو سمجھنے کے لیے ہندو مائتھالوجی کا مطالعہ لازمی ہے۔(۸)

عرش صدیقی کے نزدیک جس طرح لوک کہانیاں من وعن حقیقت پر مبنی نہیں ہوتیں اسی طرح اگرچہ اساطیر میں بھی کافی کچھ فقط زیب داستاں کے لیے بڑھا دیا گیا ہوتا ہے تاہم کسی ملک کی تہذیب وثقافت ادب اور شاعری کی کامل تفہیم اساطیر کا مطالعہ ضروری ہے۔بقول عرش صدیقی:۔

قدیم داستانیں ہمیں بتاتی ہیں کہ عام معنوں میں حقیقت اور درست نہ ہونے کے باوجود زندگی کی اہم صداقتوں کی طرف انسان کی راہنمائی کرتی رہی ہیں اور ہمیں پتہ چلتا ہے کہ واقعہ کو محض واقعہ سمجھنا باشعور انسان کے لیے کافی نہیں وہ تو اس واقعہ کی بنیاد یا پس منظر میں کارفرما معانی، مظر یات اور فلسفے کو اہمیت دیتا ہے۔(۹)

''دیدۂ یعقوب'' کی بعض نظموں میں مغربی ادب سے اخذ واستفادے کا رجحان بھی ملتا ہے اور بعض نظموں میں براہ راست ترجمہ اور خوشہ چینی کی صورت پائی جاتی ہے۔انگریزی ادب سے استفادے کی یہ روایت دوہری اہمیت کی حامل ہے

کیونکہ اردو کے نامور شعراء وادباء جن سے عرش متاثر رہے کے ہاں مغربی ادب سے اخذ واستفادے کی روایت موجود ہے اس طرح عرش مشرقی اور مغربی ہر دو روایتوں کی پاسداری کرتے نظر آتے ہیں عرش نے جن نظموں میں مغرب سے براہ راست استفادہ کیا ہے ان میں خاص طور پر'' بیکرانی'' رات کا گیت'' حد گنبد شب'' اور سر شام اور کئی دوسری نظمیں شامل ہیں ان سب کا حوالہ تو یہاں ممکن نہیں طوالت سے بچنے کے لیے ایک نظم کا انگریزی متن اور عرش صدیقی کی نظم (آزاد ترجمہ کی صورت میں) درج ہے۔عرش صدیقی کی آزاد نظم 'رات کا گیت' ''شیلے'' کی نظم {The Indian Serenada} کا تاثر لیے ہوئے ہے ۔

عرش صدیقی

میں اول شب کی شیریں نیندوں میں جھولتا تھا کہ تیرے خوابوں نے
آ جگایا
سبک ہوائیں ٹہل رہی تھیں فضا کی مستی میں تھی خراماں
ستارے جگنو بنے ہوئے تھے چمک رہے تھے سنبھل سنبھل کر
وہ جانے کیا تھا جو مجھ کو تیرے حسیں جھروکے پہ کھینچ لایا
نہ جانے کیسے نہ جانے کیوں کر اس آستانے پہ آ گیا ہوں
یہ آستانہ جہاں ہوائیں مہک رہی ہیں
یہ آستانہ جہاں محبت کی تازگی ہے
جہاں کی خاموش نغمگی میں سکون وراحت کی چاشنی ہے
تمام بستی تمام عالم مہین تاریکیوں میں گم ہے
نجوم سیمیں کی چھاؤں میں اک ندی خموشی سے بہ رہی ہے
مہک نہ جانے ہاں کہاں سے ادھر چلی آ رہی ہے جیسے
ترا جھروکہ ہی اس کی رنگین خوابگہ ہے
ادھر بہت دور ایک بلبل کچھ ایسے نغمے الاپتا ہے
کہ ساری بستی پہ بیقراری کا غم دھواں بن کہ چھا گیا ہے
میں مخملیں خاک پر پڑا ہوں بجھا ہوا سا مٹا ہوا سا
اب اقتضائے جفا سے دامن چھڑا کے آ اور اٹھا لے آ کر
یہاں سے مجھ کو
اور اپنی الفت کو بوسے بن کر میرے لبوں کو میرے پپوٹوں کو چومنے دے
تیری محبت میں میرے رخسار سرد اور زرد ہو گئے ہیں
میرے دل ناصبور کی دھڑکنیں بہت تیز ہو گئی ہیں
اٹھا کے مجھ کو تو اپنے سینے کی نرم پہنائی میں چھپا لے
وہاں اگر موت کے اندھیرے میں کھو بھی جاؤں تو غم نہ ہوگا

شیلے

The Indian Serenada
I arise from dream of thee
In the first sweet sleep of night
When the winds are breething
low
And the stars are shining bright
I arise from dreams of thee
And a spirit in my feet
Has led me who knows how
to thy chamber window, sweet!
The wondering air they faint
On the dark the silent stream
The champak odours fail
Like sweet thoughts in a dream
The nightingales complaint,
It dies upon her heart
AS I must die on thine
O beloved as thou art!
O lift me from the grass!
I die ! I faint! I fail!
Let thy love in kisses rain
On my lips and eyelid pales
My cheek is cold and white alas!
My heart beets loud and fast
O press it close to thine again
Where it will break at last

یہ منظوم ترجمہ اس حوالے سے بہت خوبصورت ہے کہ عرش صدیقی نے انگریزی متن کے لفظوں میں الجھنے کی بجائے نظم کے مجموعی تاثر کو اردو میں اس طرح پیش کرنے کی سعی کی ہے کہ اردو نظم زبان اردو کے خوبصورت الفاظ وتراکیب سے آراستہ ہو نہ کہ انگریزی الفاظ کا ترجمہ۔ گویا ہم اس نظم کو انگریزی نظم کی اردو میں ترجمانی کہ سکتے ہیں یہ وہی روایت ہے جس کے تحت مولانا ظفر علی خان اور دوسرے شعراء نے انگریزی نظموں کے ترجمے کیے یا علامہ اقبال نے Tennyson,Long fellow اور William Couper کی نظموں کے آزاد تراجم کیے جن میں ''پیام صبح'' عشق اور موت'' ''اور رخصت اے بزم جہاں'' وغیرہ شامل ہیں

عرش صدیقی نے مغربی شعراء اور ادباء سے متاثر ہو کر جو نظمیں لکھیں ان کے بعد کے کلام میں بعض جگہ ان کی اپنی ہی نظموں کا تاثر بھی پایا جاتا ہے یعنی عرش نے مغرب سے فیض کشی کے ذریعے جو عناصر اخذ کیے ان کو اپنے اسلوب کا حصہ بنائے رکھا

☆

کسی بھی شاعر کی شاعری کے آغاز کی نظمیں درحقیقت اس کی طبع آزمائی کی غماز ہوتی ہیں وقت کے ساتھ ساتھ اس کے کلام میں پختگی آتی جاتی ہے شروع میں اس پر اپنے پیشرو کسی ایک یا ایک سے زیادہ شعراء کا اثر ہوتا ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس کا اپنا اسلوب اور شناخت نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔ یہی صورت حال عرش صدیقی کی ہے دیدۂ یعقوب کے بعد ان کا شعری مجموعہ 'محبت لفظ تھا میرا' شائع ہوا جو عرش کے شعری ارتقاء کا اگلا مرحلہ ثابت ہوا بقول فاروق عثمان:۔

''محبت لفظ تھا میرا، عرش کے شعور کا اگلا قدم ہے ایک بہت بڑا کامیاب اور بامعنی قدم''(۱۰)

۱۹۶۶ء کے بعد عرش صدیقی کی نظم گوئی میں بھی پختگی اور جدت نظر آتی ہے اس دور میں انہوں نے آزاد نظم کی تکنیک کو بھرپور اور مستقل طور پر اپنایا انصاف محبت خواہشات اقتصادی مسائل معاشرتی جبر اس مجموعے کی منظومات کے موضوعات ہیں۔ شاعر اپنی ذات کے مسائل کا بیان ضرور کرتا ہے لیکن اس کے کلام میں اپنے عصر کا نوحہ بھی موجود ہے عرش کے اس مجموعے میں روح عصر بھی نظر آتی ہے

میں لڑ رہا ہوں کہ زندہ رہنے کی اور صورت نہیں ہے کوئی
اور اب یہ کس کا لہو ہے جو میرے خشک ہونٹوں پہ آ گرا ہے
کہ ذائقہ اس لہو کا پہلے لہو سے کچھ مختلف لگا ہے
کہ اس کی جلتی نمی سے دل کانپ سا گیا ہے

میں اس کو بازو سے صاف کردوں
مگر میں اک عمر کا ہوں پیاسا
نمی سے کیسے گریز کرلوں
لہو یہ کس کا ہے کون ہے وہ
جسے میری کم نگاہ شمشیر کھا گئی ہے
یہ کون تھا کوئی میرا ساتھی
کوئی میرا ہم نصیب پیارا
کوئی میرا ہم نفس پرانا

(ہم اندھیروں میں لڑ رہے ہیں، محبت لفظ تھا میرا ص ۷۵)

یہ نظم ہماری قوم کی نفسا نفسی اور نا اتفاقی کے ساتھ ساتھ ہوس دنیا کو بھی بے نقاب کرتی ہے جس نے ہم سے ہماری شناخت تک چھین لی ہے۔ معیار شعر کے لیے عرش صدیقی شاعر کو تنقیدی بصیرت سے بہرہ مند دیکھنا چاہتے ہیں اس مجموعے (محبت لفظ تھا میرا) سے عرش صدیقی کی گہری تنقیدی بصیرت کا کڑا معیار بھی مترشح ہوتا ہے۔

بقول ڈاکٹر محمد امین دیباچے کے مطالعے اے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے فن کو اپنے تنقیدی شعور اور بصیرت کے تابع رکھا ہے(۱۱)

''محبت لفظ تھا میرا'' میں عرش نے خود اپنی نظموں (جنہیں عموماً معنوی اولاد کہا جاتا ہے) کا انتخاب کیا ہے اور جن نظموں کو کمزور سمجھا ان کو اس انتخاب سے خارج کر دیا ہے یہ مجموعہ انتہائی مختصر ہے اس کی وجہ عرش صدیقی خود بیان کرتے ہیں

> ''اس مجموعے میں شامل بیشتر نظموں کی کتابت چار برس پہلے مکمل ہوگئی تھی کتابت شدہ مسودہ اگر کتابت کے ناشر کے پاس پہنچ جاتا تو کتاب کب کی شائع ہو چکی ہوتی لیکن آج مورخہ یکم دسمبر ۱۹۸۱ء تک کہ میں اس تحریر پر نظر ثانی کر رہا ہوں ناشر کے اصرار کے باوجود یہ مسودہ میں نے انہیں نہیں دیا یہ چار برس میں نے ان نظموں کی اشاعت کے جواز کی تلاش میں صرف کیے اس عمل میں محفوظ نظموں کی تعداد کم ہوتی چلی گئی بہت سی نظموں کو میں نے مسترد کر دیا اور اس خوف سے کہ آئندہ کسی جذباتی لمحے میں انہیں دوسری اشاعت کے لیے محفوظ نہ کرلوں میں نے انہیں نذر آتش کر دیا''(۱۲)

صفحات سابق میں عرش صدیقی کی ایلیٹ سے فیض کشی کا ذکر کیا گیا تھا رواں بحث میں ایک مرتبہ پھر ایلیٹ کا ذکر ضروری ہے کہ عرش کا ممدوح ایلیٹ بھی اسی کڑے معیار کا قائل ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایلیٹ اپنی

طویل اور شہرہ آفاق نظم waste land کو تبصرے اور اصلاح کے لیے ایذرا پاؤنڈ کے پاس بھیجتا ہے تو وہ اس میں کافی حد تک کانٹ چھانٹ کے بعد نظم واپس بھیج دیتا ہے اس کے باوجود ایلیٹ اس نظم کو ایذرا پاؤنڈ کے منشاء کے مطابق شائع کر دیتا ہے سی طرح عرش صدیقی بھی اپنی منظومات کے حوالے سے جذباتی رویہ اختیار نہیں کرتے وہ مقدار کی بجائے معیار کو ترجیح دیتے ہیں ان کے ہاں انتخاب اور استرداد کے اس عمل میں شعور کی کارفرمائی نظر آتی ہے ان کے مطابق وہ زندگی کے ہر شعبے میں عموماً اور ادب میں خصوصاً شعور کی برتری کے قائل ہیں لیکن شعور کی یہ برتری ان کے ہاں بے کیف رویے پیدا نہیں کرتی عرش کے ہاں رومانویت کا ظہار ضرور ہوتا ہے لیکن ان کی یہ رومانویت شعور کے تابع ہوتی ہے گویا جہاں وہ اسرار خودی سے واقف ہیں وہاں رموز بے خودی سے بھی نابلد نہیں ہیں

''میری کوئی نظم رومان سے خالی نہیں ہے بلکہ ہر نظم کا آغاز ایک مخصوص رومانی کیفیت یا واقعے یا بات سے ہوتا ہے اور نظم میں دور تک یہ کیفیت چلتی ہے لیکن انجام کے قریب پہنچ کر یہ کیفیت ایک شدید جھٹکے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے اور میں کسی تلخ حقیقت کے سامنے خاموش کھڑا ہو جاتا ہوں بظاہر یوں لگتا ہے جیسے شاعر نے قاری کا کسی اندھے موڑ پر لا کر تنہا چھوڑ دیا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ اس مقام سے حقائق کے ادراک کا آغاز ہوتا ہے اشیاء کے معانی جاننے کے لیے رومان اور تلخ حقائق میں تصادم ہو جانا لازمی ہے اور اس تصادم کے نتیجے ہی میں اصل بات کا پتہ چلتا ہے''(۱۳)

شعر گوئی میں عرش شعور اور ارادے کی شمولیت کے قائل ہیں وہ ایلیٹ کی طرح اس بات کو بے بنیاد اور کم علمی کا نتیجہ سمجھتے ہیں کہ شاعر شعر کسی غیبی طاقت کے زیر اثر خود بخود شعر کہہ لیتا ہے دوسرے لفظوں میں شاعری کی نہیں جاتی بس ہو جاتی ہے وہ شاعری کو ایک شعوری عمل سمجھتے ہیں عرش اس بارے میں بھی ایلیٹ کے ہمنوا ہیں بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:۔

''ایلیٹ کسی فن پارہ کو کوئی الہامی چیز تسلیم نہیں کرتا جو شدت جذبات کے ساتھ ایک خاص شکل اور ایک خاص لمحے میں خود بخود وجود میں آ گیا ہو وہ فن پارے کو ایک شے کی طرح سمجھتا ہے جسے سوچ سمجھ کر ناپ تول کر سلیقے اور محنت سے تعمیر کیا جاتا ہے اور جس کا مقصد ایک مخصوص اثر پیدا کرنا ہوتا ہے''(۱۴)

غزل کی روایت پر شدید تنقید کے حوالے سے عرش صدیقی ن م راشد سے متاثر نظر آتے ہیں اور ان کی رائے میں وہی شدت پائی جاتی ہے جو ہمیں ن م راشد کے ہاں نظر آتی ہے راشد ہمیشہ قدیم شاعری کے گھسے پٹے مضامین اور اسالیب سے بیزار ہے اسی طرح عرش نے بھی قدیم شعری روایت خصوصاً غزل کے مضامین پر کڑی نقطہ چینی کی ہے اور ان نقادان فن پر بھی جن کا سارا زور قلم اس روایت کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔

خودنگر اور چابک دست بزرگان فن کا ایک خطرناک خرسوار دستہ ان نسلوں کی گمراہی کا فریضہ مسلسل ادا

کرنے پر معمور ہے ان کا فرمان ہے کہ شاعری کی نہیں جاتی بس ہو جاتی ہے کیونکہ شاعر کہنے پر مامور ہے جس طرح بلبل گانے پر'' (۱۵)

جبکہ عرش کے خیال میں شاعر کی کوئی بھی تخلیق ایک ارادی فعل ہے وہ ایک مصور کی طرح تصویر بناتا ہے اس میں رنگ بھرتا ہے اس کی نوک پلک درست کرتا ہے۔ اس میں شاعر کے مشاہدے مطالعے اور ذاتی تجربات کا بڑا عمل دخل ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حالی، الطاف حسین، مقدمہ شعروشاعری، ایم فرمان علی اینڈ سنز لاہور، س ن، ص ۱۳۹
۲۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، دنیائے ادب کا عرش، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۹۹ء ص ۳۵
۳۔ عرش صدیقی 'میرا پسندیدہ فنکار ٹی ایس ایلیٹ' اوراق نومبر ۱۹۶۸ء
۴۔ عرش صدیقی، محبت لفظ تھا میرا، کاروان ادب ملتان صدر، ۱۹۸۳ء، ص ۱۳
۵۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر 'اردو کا افسانوی ادب، بیکن بکس ملتان ۱۹۸۸ء ص ۱۲۲
۶۔ منظر امکانی ''عرش صدیقی ایک عہد ساز شخصیت'' مکالمہ ''مشرق'' کراچی ۳۱ جنوری ۱۹۹۱ء ادبی صفحہ
۷۔ عرش صدیقی 'دیدۂ یعقوب' جدید ناشرین چوک اردو بازار لاہور' ۱۹۶۶ء ص ۴۸
۸۔ عرش صدیقی، تکوین، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور ۱۹۹۷ء، ص ۲۷
۹۔ عرش صدیقی، تکوین، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور ۱۹۹۷ء، ص ۲۹
۱۰۔ عرش صدیقی، محبت لفظ تھا میرا، کاروان ادب ملتان صدر، ۱۹۸۳ء، ص ۹۴
۱۱۔ محمد امین ''نظریہ شاعری اور عرش صدیقی' مشمولہ' توجیہہ ، ڈائیلاگ پبلی کیشنز کراچی ۱۹۹۸ء ص ۱۶۱
۱۲۔ عرش صدیقی، محبت لفظ تھا میرا، کاروان ادب ملتان صدر، ۱۹۸۳ء، ص ۱۱
۱۳۔ عرش صدیقی، محبت لفظ تھا میرا، کاروان ادب ملتان صدر، ۱۹۸۳ء، ص ۲۰
۱۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارسطو سے ایلیٹ تک نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، ص ۵۰۰
۱۵۔ عرش صدیقی، محبت لفظ تھا میرا، کاروان ادب ملتان صدر، ۱۹۸۳ء، ص ۱۳

❁......❁......❁